حج و زیارت

دربارِ نبوّت کی باریابی

مدینۃ الرسول میں حاضری کے واردات و تاثرات

- ★ حضرت علامہ مناظر احسن گیلانیؒ
- ★ حضرت مولانا محمد ادریس ندویؒ
- ★ ڈاکٹر میر ولی الدین صاحب عثمانیہ یونیورسٹی۔
- ★ حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی
- ★ الحاج رفیع الدین مراد آبادیؒ تلمیذ حضرت شاہ ولی اللہ الدہلویؒ

(ترتیب۔ ادارۃ الحق)

تمنا ہے درختوں پر ترے روضہ کے جا بیٹھے
قفس جس وقت ٹوٹے طائرِ روحِ مقید کا "شہیدی"

ترے کوچے میں ہم کل اس طرح سے جا بجا ٹھہرے
چلے، چل کر رکے، رک کر بڑھے، بڑھ کر ذرا ٹھہرے

شفیعِ محشر کے دربار میں میدانِ حشر کا سماں

—— حضرت علامہ مناظر احسن گیلانیؒ

قافلہ بیر درویش کے بعد قریب قریب اپنے اوسان کھو چکا تھا۔ فاصلہ ختم ہو رہا تھا۔ زندگی کی آرزو سب سے بڑی آرزو ایمان والوں کی پوری ہو رہی تھی۔ یا قریب تھا کہ پوری ہو۔ اپنے آپ کو معلوم ہوتا تھا کہ ہر اک کھوتا چلا جا

رہا ہے۔ اچانک اسی حال میں مدینۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سواق (ڈرائیور) کی زبان سے نکلی کلیجے نکل پڑے۔ جانیں قالب کو معلوم ہو رہا تھا کہ چھوڑ دیں گی۔ بیس سال پہلے کان میں یہ آواز آئی تھی لیکن اس کی گونج آج بھی تر و تازہ ہے۔

ہم میں ہر ایک دوسرے کو شاید بھول گیا۔ مدینۃ النبی (نبی کا شہر) اس کے سوا نہ اندر ہی میں کچھ باقی تھا اور نہ باہر میں لاری تیزی کے ساتھ گذرتی جا رہی تھی یہ باہر میں ہو رہا تھا، اور اندر میں جذبات کا طوفان تھا جو ابل رہا تھا۔ اوروں کا حال معلوم نہیں۔ لیکن اپنے اس احساس کو کیسے چھپاؤں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ بلالؓ آ رہے ہیں، یہ ابو ذرؓ جا رہے ہیں، یہ فاروق اعظمؓ ہیں آ ادھر حضرت صدیقؓ ہیں ——
میں جانتا ہوں کہ یہ دماغی اختلال ہی کا نتیجہ ہوگا۔ مگر مبارک تھا وہ دماغی اختلال جس میں مبتلا ہونے والے کے کان میں گذرتی ہوئی لاری میں آواز آئی۔ السلام علیکم مولوی صاحب۔ حضرت بلال، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مہمانوں کے میزبان ایسا معلوم ہوا کہ کہتے ہوئے گذر گئے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جنون کی ایسی باتوں کا کہاں تک تذکرہ کیا جائے۔

واقعہ یہ ہے کہ باب العنبریہ کب آیا۔ لاری سے لوگ کس وقت اترے کیسے اترے گھوڑے کی گاڑی عرابہ میں کب سوار ہوئے۔ ہوئے تو یہ سارے واقعات۔ ہم چل بھی رہے تھے پھر بھی رہے تھے۔ لیکن جسم چلتا تھا ٹانگیں پھر رہی تھیں مگر ان کا چلانے والا جا سہ غائب تھا۔ شاید سیدنا حضرت مولانا حسین احمد المدنی مدظلہ العالی کے برادر محترم حضرت مولانا سید احمدؒ مہاجر مدینہ "باب عنبریہ" جو مدینہ منورہ کا مرحوم حجاز ریلوے کا اسٹیشن تھا وہاں تک تشریف لائے تھے۔ ان کو اطلاع دے دی گئی تھی اور ایک قدیم مدنی دوست لطفی صاحب مرحوم بھی اپنے خوبصورت شامی چہرے کے ساتھ دیوانوں کو لینے کے لئے اس مقام تک آئے تھے۔

"دے برندش" کی شکل میں النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے "مدینہ" میں پہنچا دیئے گئے۔ لکھا پڑھا سب غائب ہو چکا تھا۔ جس نے جو کچھ کہا وہی کرتے جاتے تھے۔ غسل کا حکم دیا گیا، کپڑے بدلوائے گئے، اور اب ایک سیہ کار سیاہ بخت سیاہ دل مطلق تاریکی صرف سیاہی کو گھسیٹتے ہوئے اس دربار کی طرف لوگ لئے جا رہے تھے۔ جس دربار تک رسائی کا خیال بھی اس سراسر اثم و گندگی کے لئے ناقابل برداشت تھا آج وہی گھسیٹا جا رہا تھا، اور لایا جا رہا تھا۔ بیعت کے بعد عہد کا توڑنے والا مجرم اپنے آقا کے آستانے کی طرف دھکیلا جا رہا تھا۔ بس اتنا ہوش تھا کہ ہوش باقی نہیں رہا ہے۔ معلم یا مزوّر کے نام سے کوئی صاحب تھے ہاتھ پکڑے ہوئے تھے وہ کچھ کہتے جاتے تھے۔ آنسوؤں کی موسلا دھار

بارش سے بند آنکھوں نے اس کا موقعہ باقی نہ رکھا تھا کہ کہاں ہوں، آگے کیا ہے کی خبر ہو کان میں معلم کے فقرے اور وہ بھی نہیں معلوم پورے آتے بھی تھے یا نہیں مگر زبان ان ہی فقروں کو دہرا رہی تھی۔ معلم کہتے تھے کہ سلام پڑھو، کن کو سلام کروں، آنکھوں میں اسکی قوت بھی باقی رہی ہے جو کسی طرف اٹھے پیچ تھی پکار تھا، گریہ تھا بکار تھا، بے ہوشی تھی بدحواسی تھی کیا تھا۔ عہد کرنے والے نے مگر کیا کیا ؎

چہ گونہ سر ز خجالت برآورم بر دوست   کہ خدمتے بسزا برنیامد از دستم

حجاب شرم ندامت اے اللہ کے رسول، اے عالمین کی رحمت ڈھانک دے اسکی سیاہیوں کو جس میں سیاہی اور تاریکی کے سوا کچھ نہیں ہے ؎

ہوں سیہ کار مرے عیب کھلے جاتے ہیں   کملی والے مجھے کملی میں چھپالے آجا

نماز کا وقت بھی شاید قریب تھا۔ سب جہاں کھڑے ہوئے وہیں ہوش باختہ میں بھی کھڑا تھا۔ یہ کیا ہوا میں کہاں لایا گیا کلیجہ پھٹ جائے گا۔ روح نکل جائے گی۔ ہم کس حال میں آئے کیا ساتھ لائے صرف پاپ صرف گندگی، صرف آلودگی ——— سب باہر ہوئے، ان کے ساتھ باہر ہوئے، آتے تھے جاتے تھے۔ لیکن چوبیس گھنٹوں تک کچھ پتہ نہ چلا کہ کہاں آرہے ہیں، کہاں جارہے ہیں۔ نمازیں بھی ہوتی تھیں، کھانا بھی کھایا جاتا تھا۔ شاید ملنے والوں سے کچھ باتیں بھی ہوتی تھیں۔ لیکن چوبیس گھنٹوں تک کرنے والے کو خود اپنے ان کاموں کا صحیح احساس نہ تھا۔ سب کرتے تھے وہ بھی کرتا تھا۔ مگر جیسے جیسے وقت گذرتا گیا سکینت کا نزول قلب پر شروع ہوا۔ خود تو کیا پیدا ہوتی مگر ہمت پیدا کرائی گئی۔ اور اب آنکھ کھلی ہم کھجور کے تنوں پر کھڑی ہوئی اس مسجد کو ڈھونڈ رہے تھے جس کی چھوٹی کھجور کے پتوں اور شاخوں سے کی گئی تھی جہاں کے رسول غریبوں کے ملجا یتیموں کے ماویٰ کا دولت خانہ وہ کہاں ہے جس کے چھپر سے کھڑے ہونے والا سر چھوا جاتا تھا۔ جسکی دیوار کھجور کی چھڑیوں پر مٹی لیپٹ کر بنائی گئی تھی۔ ابوایوب انصاری کا وہ مکان کہاں ہے۔ جو ہجرت کے بعد پہلی فرودگاہ اس آبادی میں تھی ڈھونڈتا تھا اسکی گلیوں میں حسنؓ کو حسینؓ کو عباسؓ کو سید الشہداء حمزہؓ کو امہات المؤمنین صدیقہ عائشہ حضرت میمونہ صفیہ اپنی ماؤں کے محل سراؤں کو! اور ام حرام بنت ملحان کو ابوہریرہ ابن عمر اور ابن مسعود کو ابوسعید خدری کو انس بن مالک کو اور کیا کیا بتاؤں کن کن کو رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور ان کے گھروں کو مگر نہ وہ مسجد ہی تھی اور نہ وہ مکانات نہ ان کے رہنے والے۔ معلوم ہوا کہ انصاری صحابیوں کا کوئی خاندان اب مدینہ میں نہیں پایا جاتا نہ انصاریوں ہی کا کوئی خاندان تھا اور نہ مہاجرین کا ——— جس وقت